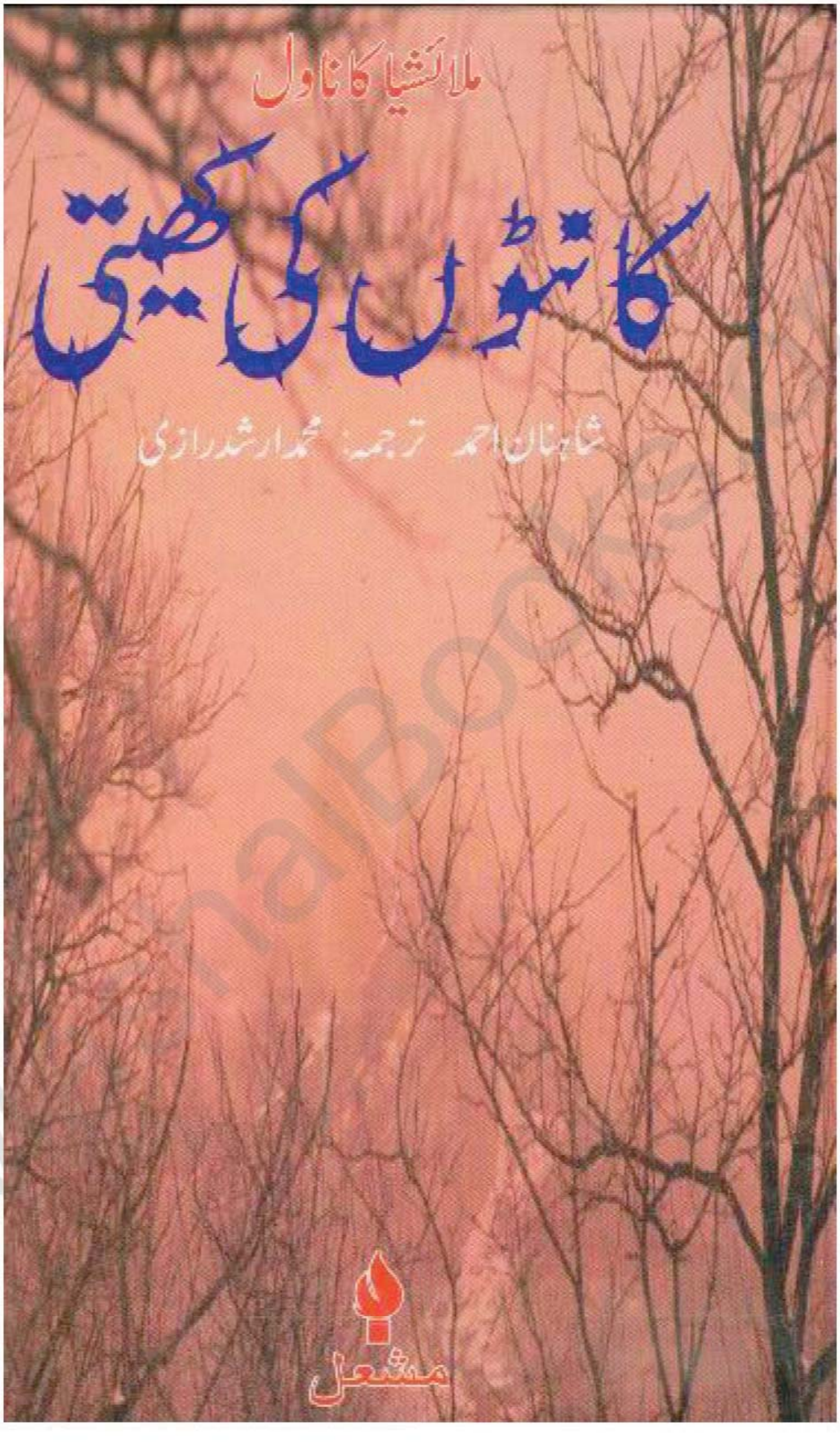
ملائشیا کا ناول
کانٹوں کی کھیتی
شاہنان احمد ترجمہ: محمد ارشد رازی
مشعل

کانٹوں کی کھیتی

شینان احمد
اردو ترجمہ: محمد ارشد رازی

مشعل بکس
آر بی۔۵' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس' عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن
لاہور۔54600' پاکستان

MashalBooks.org

کانٹوں کی کھیتی

شینان احمد

اردو ترجمہ: محمد ارشد رازی

کاپی رائٹ (c) اردو۔2002ء مشعل بکس

کاپی رائٹ (c) شینان احمد

ناشر: مشعل بکس

آر بی 5' سیکنڈ فلور'

عوامی کمپلیکس' عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن'

لاہور۔54600' پاکستان

فون وفیکس042-35866859

E-mail: mashbks@brain.net.pk

مشعل بکس

آر بی۔۵' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس' عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن

لاہور۔54600' پاکستان

MashalBooks.org

تعارف

کانٹوں کی کھیتی(RANJAU SEPANJAG JALAN) پہلی بار 1966ء میں چھپا۔ ایک سطح پر یہ ادب پارہ بیسویں صدی کے کسان کی بے رنگ دنیا کی کہانی ہے۔ ایسی دنیا جس کے متعلق بہت کم معلوم ہے اور جس پر لکھا اس سے بھی کم گیا ہے۔ شینان احمد نے ساٹھ کی دہائی میں ملائشیا کے کاشتکار کی کہانی لکھی ہے جس کا طرز زندگی اپنے اجداد سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ اپنے اجداد کی طرح اس کا انحصار ابھی تک کلیتاً زمین پر ہے۔ انہی روایتی طریقوں سے کام لیتا ہے۔ رویے اور اقدار میں بھی روایت سے سرمو انحراف نہیں کرتا۔ ابھی تک بڑے حوصلے سے مقدر پر یقین کا علم اٹھائے ہوئے ہے۔ شینان کا کسان لہوما جدید اشیا سے بے خبر نہیں ہے۔وہ بہرحال ایک تیزی سے ترقی کرتے ملک کا باسی ہے لیکن لہوما کے گاؤں تک آنے والے جدت کے اثرات نے اس کا معیار زندگی بلند نہیں کیا ہے۔ اس کے گاؤں میں ایک سکول ہے۔ اسے غالباً خبر ہے کہ ہسپتال نام کی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اس نے ٹریکٹر چلتے دیکھا ہے اور جانتا ہے کہ وہ کس تیزی اور سہولت سے کھیت کی مٹی پلٹتا ہے۔ بچے فارغ ہوں تو انہیں سکول بھیجنا بہتر خیال کرتا ہے لیکن جونہی کھیتوں میں یا گھر پر ان کی ضرورت ہوتی ہے' وہاں سے ہٹا لیتا ہے۔ بیمار پڑنے پر اسے ہسپتال جانے کا خیال نہیں آتا۔ ہسپتال غالباً دور ہے اور پھر کسی کے پاس اتنی فرصت نہیں کہ اسے وہاں تک لے جائے۔ جہاں تک ٹریکٹر کا تعلق ہے تو وہ صرف گاؤں کے نمبردار کے پاس ہے۔ اس کا جو کرایہ وہ وصول کرتا ہے بیشتر کسانوں کی استطاعت سے زیادہ ہے۔

لہوما بہرحال کبھی کبھار اپنے مستقبل کا سوچتا ہے۔ اسے احساس ہے کہ اجداد سے اس تک وراثت میں پہنچنے والا قطعۂ اراضی رائج قانون کے مطابق نسل در نسل، تقسیم در تقسیم ہوتا چلا جائے گا اور بالآخر کسی کے پاس بھی کچھ نہیں رہے گا۔ اسے یہ بھی علم ہے کہ جب تک وہ محض وہاں کی فصل پر انحصار کرتا رہے گا۔ زندگی مسلسل مشکل میں رہے گی لیکن حالات اور روایات نے اسے بے دست و پا کر رکھا ہے۔ آباؤ اجداد کی تربیت اسے زیادہ قیاس آرائی سے منع کرتی ہے۔ وہ اسی ڈگر کو اپنائے رکھتا ہے جس پر وہ ہمیشہ سے چلتا آیا ہے اور اس عمل میں خوفناک مشکلات قبول کرتا ہے جس طرح اس کے آباؤ اجداد کرتے رہے تھے اور اس کی آل اولاد کرتی رہے گی۔

ایک سطح پر تو ''کانٹوں کی کھیتی'' بس اتنا ہی ہے لیکن پڑھنے پر پتا چلتا ہے کہ اس میں معنی کی اور پرتیں بھی ہیں۔ ناول میں کچھ پیروں کا انداز علامتی ہے۔ آدھی رات کے وقت کیکڑوں اور جونکوں کے خلاف لہوما کی رسوماتی للکار ہے۔ لہوما انہیں خبردار کرتا ہے کہ اس کی عافیت پسندی اپنی جگہ لیکن وہ ان کے خلاف آخری دم تک لڑتا رہے گا۔ کوبرے کے خوف سے پنیری بوسا کے آبائی قطعہ سے دستبرداری کے خیال سے ہی اس میں شدید غصہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ پھر جونکوں، کیکڑوں اور پرندوں کا بیان ہے جو ہر سال کسان کا خون چوستے ہیں۔ اس کی فصل برباد کرتے ہیں اور اس کی محنت کے نصف پر ڈاکہ مار کر لے جاتے ہیں۔ یوں شینان ایک سطح پر ان انسانی طفیلیوں کا ذکر کرتا ہے جو کسان کی زندگی اجیرن کئے ہوئے ہیں۔

مالے ادب میں شینان کی پہلی شناخت اس کا ناول RENTONG ہے جو 1965ء میں چھپا۔ عمومی سطح پر یہ ناول ایک چھوٹی سے دیہی کمیونٹی میں سماجی رشتوں کا مطالعہ ہے لیکن اس کا خصوصی موضوع معاشرتی اچھوتوں کا مظہر ہے۔ اگرچہ ناول میں کچھ جگہ گنجلک تکنیک برتی گئی ہے اور اتحاد برائے ترقی کا پیغام ناگوار طور پر واضح ہے لیکن قاری اس سے متاثر ضرور ہوتا ہے۔ اس کی وجہ ناول میں دیہی مناظر یا زندگی اور اس کے طور طریقوں کی منظرکشی ہے۔ اگرچہ شینان RENTONG سے پہلے بھی متنوع پس منظر اور خیالات پر مبنی کہانیاں لکھ چکا تھا لیکن یہ ناول ایک طرح سے زیادہ فنی پختگی کے مظہر

''کانٹوں کی کھیتی'' کی پیش بینی ہے۔ شینان کی 1964ء سے 1967ء تک کی کہانیاں جنھیں مجموعوں کی شکل میں شائع کیا جا چکا ہے' زیادہ تر شہری پس منظر میں ہیں اور ساٹھ کی دہائی میں مقبول تمام خیالات و موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔ ''کانٹوں کی کھیتی'' سے ایک سال پہلے چھپنے والے ناول TERDEDAH کا مرکزی خیال اس دور کی مقبول عام کہانیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اس میں اکیلی رہنے والی عورتوں کی اخلاقی بدحالی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''کانٹوں کی کھیتی'' کے ایک سال بعد چھپنے والے اپنے ایک اور ناول (Protes) میں شینان نے خدا اور وجود کی ماہیت کے قضیئے کو موضوع بنایا ہے۔ اسی سال سامنے آنے والے ناول Mentori میں شینان ایک سیاستدان کی زندگی اور طرز فکر کا جائزہ لیتا اور اپنے ملک کے مستقبل پر جرأت مندانہ قیاس آرائیاں کرتا ہے۔ اگرچہ شینان کا زیادہ تر کام دلچسپ اور فکر انگیز ہے لیکن تاحال کسی دوسرے فن پارے میں ''کانٹوں کی کھیتی'' جیسی گہرائی اور قوت نظر نہیں آتی ہے۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ شینان احمد کے اس ناول کے چھپنے تک مالے ادب میں دیہی زندگی کی صرف جھلکیاں دیکھنے کو ملتی تھیں۔ مبہم اور وقت نظر سے خالی جھلکیاں۔

جدید مالے ادب پر آغاز سے ہی شہری تناظر میں لکھی گئی تحریریں حاوی ہیں۔ انیسویں صدی کے اوائل میں عبداللہ منشی نے جادو اور اساطیر سے مزین لوک اور کلاسیکی ادب سے ہٹ کر جدت کا راستہ اختیار کیا۔ اس نے اپنی توجہ سنگاپور اور ملایا پر رکھی جنھیں اس نے مشرقی اور مغربی افکار کے مابین تصادم کے نمائندہ پرہجوم شہروں کے طور پر دیکھا۔ ایک صدی بعد ناول اور افسانے لکھنے والوں نے جدید دور کے مسائل پر توجہ دی۔ ان کے موضوعات میں غالب حصہ عورتوں کی آزادی' پسند کی شادی اور نئی قصباتی اخلاقیات کا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد ادب میں قوم پرستی' غربت اور ظالم اور مظلوم کے درمیان کشمکش پر توجہ دی جانے لگی۔ 1957ء میں آزادی ملی تو نئے موضوعات متعارف ہوئے۔ ترقی اور بدعنوانی و اخلاقی انحطاط جیسے مسائل پر لکھا جانے لگا۔ دیہی زندگی کی منظرکشی کی کچھ کوششیں ہوئیں لیکن اگر شہری تناظر میں لکھی گئی تحریروں کے مقابلے میں

دیکھا جائے تو بلا استثنا کسی میں بھی مطلوبہ جزئیات نگاری اور براہ راست مصدقہ تجربہ دیکھنے کونہیں ملتا۔ شیئان کے ''کانٹوں کی کھیتی'' اور Rentong پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ شہری اور دیہی تناظر میں لکھی گئی تحریروں میں معیار کا فرق کتنا زیادہ ہے۔ مذکورہ بالا دونوں ناول ایک دور دراز گاؤں بنگل دراپ کے تناظر میں لکھے گئے جہاں شیئان احمد پیدا ہوا تھا۔ اسی گاؤں میں پلنے بڑھنے کی وجہ سے مصنف کو قدرت حاصل ہے کہ وہ ایک باسی کے سے وثوق کے ساتھ قلم اٹھا سکے۔ اسے جزئیات میسر ہیں اور انہیں قلم بند کرنے کی صلاحیت بھی' جس کی وجہ سے ہم اس گاؤں کے بدلتے آسمانوں' کھیتوں اور باسیوں کے مزاج دیکھ سکتے ہیں۔ گاؤں سے نکل کر انگریزی تعلیم اور وسیع تر دنیا کا علم حاصل کرنے کے بعد شیئان اپنے گاؤں اور اس کے باسیوں کی منظرکشی نئی جہات سے کرتا ہے۔

کسی بھی دوسری چیز سے زیادہ ''کانٹوں کی کھیتی'' فطرت کی غیر شخصی قوتوں کے خلاف بقا کے لئے ایک انسان کی ازلی جنگ کی کہانی ہے۔ محض زندہ رہنے کیلئے قطعی غیر مساوی فریقین کے مابین اس جنگ میں لہوما کا کل اثاثہ زمین کا ٹکڑا' چار ہاتھ پاؤں' بیوی اور اولاد ہے جو سب کی سب یعنی سات لڑکیاں ہیں۔ جھد وجھد لامنتہا اور حاصل بہت تھوڑا ہے۔ طاقت اور تشفی کا واحد ذریعہ خدا پر ایمان ہے۔ لہوما کو صرف اتنا پتا ہے کہ زندہ رہنے کیلئے مسلسل جدوجہد کا سبق اگلی نسل کو منتقل کرنا ہے۔ کبھی وہ کامیاب ہوتا ہے اور کبھی ناکام۔ لیکن ہارتے ہوئے بھی اسے حوصلہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کا جسم شکست کھا جائے لیکن اس کی روح ناقابل شکست ہے۔ اس امر کو سامنے لانے کے باعث شیئان کی تحریر المیے کی شدت کو چھونے لگتی ہے اور عالمی سطح پر مقبولیت کے لائق ٹھہرتی ہے۔

عابدہ امین

MashalBooks.org

باب 1

کانٹوں کی فصل

حیات و موت اور قلت و فراوانی سب خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کے ہاتھ میں جو قادر مطلق ہے۔

یہ لہوما کا ایمان تھا۔ ایمان راسخ کا یہ سلسلہ لہوما تک اس کے دادا حاجی دیباسا سے پہنچا تھا حالانکہ حاجی دیباسا عقیدت و احترام کے ساتھ کب کا دفنایا جا چکا تھا لیکن لہوما اپنے ایمان پر قائم تھا۔

حیات و موت اور قلت و فراوانی سب خدا کے ہاتھ میں ہے' اللہ کے ہاتھ میں جو قادر مطلق ہے۔

یہی جیہا کا ایمان بھی تھا۔ اس کا ایمان یوں تھا کہ یہ اس کے خاوند کا ایمان تھا لیکن یہ معاملہ فقط اندھے عقیدے کا نہ تھا۔ جیہا کا اپنا نظریہ اور اپنا مؤقف تھا۔ اس کا ایمان سچا تھا جو اس کے روئیں روئیں میں بسا تھا۔ حیات و موت اور قلت و فراوانی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کے ہاتھ میں جو قادر مطلق ہے۔

شادمانی اور خوش بختی کو سراپا تشکر کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے' ہزاروں بار الحمدللہ کے ساتھ اور اگر انسان کو صعوبتوں و سختیوں سے گزارا جائے تب بھی اس پر اظہار تشکر کرنا چاہیئے۔ اسے بھی ہزاروں بار الحمدللہ کے ساتھ گزارنا چاہیئے۔ لہوما اور اس کی بیوی اسی طرح کے تھے۔

MashalBooks.org

ان کے ہاں سات بچے ہو چکے تھے اور سب کی سب لڑکیاں، سب سے بڑی ثنا جس کا سینہ کبوتر کی طرح آگے کو نکلا ہوا تھا۔ اس کے بعد ملہا تھی جس کے سر پر بے تحاشا سیاہ گھنے بال تھے۔ اس کے بعد زینب، سیمک، لیہا، لیبار اور کیہا تھیں۔ انہوں نے یہ تمام بچیاں سراپا تشکر کے ساتھ قبول کی تھیں۔ لہوما اور جیہا کے ہونٹوں پر کبھی حرف شکایت نہیں آیا۔ لہوما نے سوچا تھا دینے والا خدا ہے۔ میں تو صرف لینے والا ہوں۔''

لہوما اور جیہا کو پورا یقین تھا کہ ان کی ساتوں بچیاں بھی اسی عقیدے پر قائم رہیں گی کہ حیات وموت اور قلت وفراوانی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کے ہاتھ میں جو قادر مطلق ہے۔

بھرپور طمانیت کے ساتھ زندگی کا سامنا کرنے میں اس ایمان نے لہوما اور جیہا کی بہت مدد کی تھی اور یہی طمانیت ان کی ساتویں بچیوں، ثنا، ملہا، زینب، سیمک، لیہا، لیبار اور کیہا کو بھی منتقل ہو جائے گی۔

صبح کا وقت تھا۔ لہوما اور جیہا بانسوں کی اکہری دیوار سے گھرے اپنے برآمدے میں حسب معمول بیٹھے تھے۔ گھر سے باہر ثنا، ملہا، زینب، سیمک، لیہا، لیبار اور کیہا باہم گھس کر بیٹھی ناریل کے خول کا برتن بنائے ہنڈکلیا کھیل رہی تھیں۔ انہوں نے ریت کو چاول اور ناریل کے خول کو ہنڈیا بنایا ہوا تھا۔ جیہا اپنے گھنے سیاہ بالوں میں انگلیاں پھیرے جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کے دونوں ہاتھ گود میں آتے اور وہ بالوں سے گری جوں کو دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کے درمیان رکھ کر کچل دیتی۔ جوں کا پیٹ پھٹتا تو اس کا خون جیہا کے ناخنوں پر چمٹ جاتا۔ لہوما اپنی بیوی کی مصروفیت سے بے نیاز بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں دور پہاڑوں کے دامن میں آگے جنگل کے سبزے پر گڑی تھیں۔ اس کی آنکھیں دور کھڑے ملاکا اور میرانتی کے درختوں کی پھنگوں پر ایسے گڑی ہوئی تھیں، جیسے آسمان کو چھونے میں کوشاں درختوں کی ان پھنگوں میں کچھ ہے جس کا وہ متلاشی ہے۔ چینرائی کے پیڑ تلے گرد وغبار میں اس کی بچیوں کا کھیل جاری تھا۔ اس نے دھول میں اٹی اپنی بچیوں پر نگاہ ڈالی جو کھیل وہ کھیل رہی تھیں، انہیں بس وہی ایک کھیل آتا تھا۔ ثنا اور اس کے بعد سب بچیوں نے ہمیشہ ریت کے چاول پکانے کا کھیل کھیلا تھا۔

''چاول خدا کی نعمت ہے۔'' لہوما نے سوچا۔ اس کے دادا کی زندگی کا دارومدار چاول پر ہی تھا۔ یہی کچھ لہوما بھی کر رہا تھا۔ اس کے ہاں بھی چاول ہی بوئے' سکھائے اور چھڑے جاتے تھے اور چاول ہی تھے جن پر ایک زمانے سے ان کی زندگی کی بقا کاانحصار تھا۔

''ہمیں بوائی کب شروع کرنا ہے؟'' جیہا نے پوچھا۔ اس کی انگلیاں اب تک بالوں میں بسیرا کیئے بیٹھی جوئیں ٹٹول رہی تھیں۔

لہوما ساکت و صامت بیٹھا رہا۔ اس کی نگاہیں بدستور بچیوں پر جمی ہوئی تھیں۔درمیان والی بچی سیمک چینرائی کے پتے کاٹ رہی تھی۔ شاید وہ انہیں جھوٹ موٹ کی مچھلی بنانا چاہتی تھی۔ باقی سب بچیاں زور زور سے شکایت کر رہی تھیں کہ چاول جل گئے ہیں۔ آگ بہت تیز ہوگئی تھی حالانکہ وہ سب اچھی طرح جانتی تھیں کہ ناریل کے خول تلے آگ نام کی کوئی شئے نہیں تھی۔

''جنگل والی زمین کی بوائی کب شروع کریں گے؟'' جیہا نے دوبارہ پوچھا۔لہوما گنگ بیٹھا رہا۔گویا وہ اپنی بچیاں گن رہا ہے جیسے وہ بھول گیا ہو کہ وہ کتنی ہیں۔ ایک' دو' تین' چار' پانچ' چھ یا سات۔

اس کے باپ کے پاس بیس ریلانگ (ایک ریلانگ ڈیڑھ ایکٹر کے قریب) اراضی تھی۔ جس پر وہ دھان کاشت کرتا تھا۔اس میں سے چھ ریلانگ گروی رکھنے کی وجہ سے ایک چینی تاجر کے قبضے میں چلی گئی تھی۔ اب صرف چودہ ریلانگ بچی تھی اور خوش قسمتی سے لہوما اپنے باپ کی اکلوتی اولاد تھا۔اس لئے وہ چودہ کے چودہ ریلانگ وراثت میں اسے مل گئے تھے۔ وہ اس پر دھان کاشت کرتا تھا۔لیکن اراضی کے چودہ ریلانگ چودہ ہی رہے۔کم ہوئے نہ زیادہ' ایک انچ کی کمی بیشی نہ ہوئی۔ اس کی سات بچیاں تھیں۔یعنی دو ریلانگ فی بچی۔ دو ریلانگ سے کیا بنتا ہے؟ واقعی کیا بنتا ہے؟ لہوما نے ڈھول سے اٹی زمین پر نظریں گاڑ دیں۔ ریلانگ کی تعداد بڑھانے کی کوئی بھی کوشش لاحاصل تھی۔ اس سمت میں کوئی در نہیں کھلتا تھا۔ آمدنی بڑھانے کے کسی اور ذریعے کا کھوجنا بھی اتنا ہی بے سود تھا۔ یہ چودہ ریلانگ اب تک تو اسے اور اس کی بیوی بچوں

کو پالتے آئے' وہ اور جیہا کبھی بھوکے نہیں سوئے تھے اور کبھی ایسا بھی نہیں ہوتا تھا کہ چاول نہ ملنے پر اس کی اولاد کو ابلی ہوئی سبزی یا مکئی کے دلیے پر گزارا کرنا پڑتا ہو۔ اس نے قادرِ مطلق کا شکر ادا کیا۔

مگر اس کی موت کے بعد کیا ہوگا؟ دھان کی کاشت والی چودہ ریلانگ اراضی تقسیم ہوگی۔ دو ریلانگ فی کس اور پھر جب اس کی اولاد کی اپنی اولاد ہوگی تو پھر یہ مزید تقسیم ہوگی۔ اس کے نواسوں کو بہت تھوڑی زمین ملے گی اور جب اس کے پڑنواسوں کی باری آئے گی تو شاید فی کس ہتھیلی بھر سے زیادہ زمین کسی کے ہاتھ نہیں آئے گی۔

لہوما کو سینے میں درد اٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے دم گھٹنے کا احساس ہوا۔ اس نے دوبارہ آہستہ آہستہ نگاہ اٹھائی' اس کی آنکھیں درختوں کی پھننگوں پر جم گئیں۔ وہ ابھی تک آسمان کو چھونے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''ہمارے بچوں کے بچے بھکاری ہوں گے' ہماری اولاد کی اولاد بھکاری ہو گی۔'' بچوں کے بچے .... وہ بڑبڑایا۔

جیہا' جو ابھی تک اپنے بال ٹٹولے جا رہی تھی' حیران ہوگئی۔ اس نے اپنے خاوند کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کے چہرے کو ٹٹولا۔

''ایں؟ ایں؟''

لہوما بڑبڑا کر اپنی سوچوں سے نکل آیا۔

''کیا کہا تم نے؟''

''کس نے؟''

''تم نے۔ تم ہی نے کچھ کہا تھا۔''

لہوما کچھ نہیں بولا۔

''تم نے کیا کہا تھا؟''

لہوما گم سم بیٹھا رہا۔

''پڑنواسے!'' جیہا نے قہقہہ لگایا اور کھانا پکاتے پکاتے بچے رک گئے۔ سب سے بڑی ثنا جو اب سیانی ہو چکی تھی' ماں کے منہ سے پڑنواسہ سن کر مبہوت رہ گئی تھی' جیسے

MashalBooks.org

پریشان ہو کہ اس کے حوالے سے کوئی بات کی گئی ہے۔

''میں نے تمہیں کہتے سنا کہ ہمارے پڑنواسے بھکاری ہوں گے۔ پڑنواسے' کیسے پڑنواسے؟ ابھی تو ہمارے نواسے نواسی بھی نہیں۔ ابھی تو سب سے بڑی والی ثنا ریت اور ناریل کے خول سے کھیلتی ہے اور تم ابھی سے پڑنواسوں کی بات کرنے لگے ہو؟''

جیہا دوبارہ ہنسی جیسے اس کے خاوند نے کوئی لطیفہ سنایا ہو۔ لہوما دوبارہ مستقبل کے خیالات میں کھو گیا۔ کبھی نہ کبھی تو بہرحال اس کے پڑنواسے پڑنواسیاں ہوں گی۔ ان کی زندگی میں نہیں تو موت کے بعد سہی! ایک نہ ایک دن تو انہیں پیدا ہونا ہے۔ ایسا بہرحال ہوگا۔ جلد ہو یا بدیر۔ ثنا کی شادی ہوگی اور اس کے بچے ہوں گے۔ ملہا کی شادی ہوگی اور اس کے بچے بھی۔ زینب' سیمک' لیہا' لیبار اور کیہا سب کی شادیاں ہوں گی اور بچے بھی اور پھر ان بچوں کے کھانے والے منہ تعداد میں بڑھتے جائیں گے لیکن آبائی زمین ایک انچ نہیں بڑھے گی۔ کبھی بیس ریلانگ تھی' چھ چینی کے پاس جا چکی۔ آنے والی نسلوں کے پالنے کو فقط چودہ ریلانگ بچی ہے۔

کچھ دیر کو لہوما ان خیالات کی آمد روک نہ پایا' لیکن پھر ایمان اور ایقان جس نے زندگی بھر اس کی رہنمائی کی تھی' اس کی مدد کو پہنچے اور مایوس کن خیالات چھٹ گئے۔

حیات وموت اور قلت وکثرت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کے ہاتھ میں جو قادر مطلق ہے۔

اس دنیا میں پیدا ہونے والے ہر انسان کا رزق۔ خوراک اور دنیاوی ضروریات کا دوسرا سامان۔ اس کے ساتھ آتا ہے۔ یہ رزق خدا مقررہ کرتا ہے۔ لہوما کے بچوں اور پھر ان کے بچوں کے بچوں میں سے ہر ایک کو اس کے حصے کا رزق ملے گا۔ کسی انسان کو کیسی زندگی بسر کرنا ہے۔ اس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

لیکن لہوما نے اس دنیا میں اتاری گئی روح کے لئے اس کے رزق کے مقرر ہونے یا نہ ہونے کے مسئلے پر کبھی حرف زنی نہیں کی۔ اچھی اور وافر اشیا خوردنی کے حصول کیلئے انسان کو زندگی میں محنت کا وتیرہ اختیار کرنا چاہئے۔ اب اگر کوئی گداگری اختیار کرتا ہے تو وہ بھی اس کا رزق ہے۔ اگر کسی کو رات دن تن ڈھانپنے کو کچھ میسر نہیں تو وہ بھی سانس لیتا

ہے اور زندہ رہتا ہے۔ اگر کوئی دریا میں بہہ کر چلے آنے والے مردار جانوروں پر زندہ ہے تو وہ بھی اس کا رزق ہے۔ لہوما کے نزدیک مردار خوری اور برہنگی سب خدا کی طرف سے ہے۔ اللہ کی طرف سے جو قادر مطلق ہے۔

خدا کی مرضی یہ ہے کہ لہوما مردہ لاش کھائے تو وہ کیا کہہ سکتا ہے۔ اب اگر خدا کو یہی منظور ہے کہ اس کی آل اولاد برہنہ پھرے تو وہ کیا کر سکتا ہے۔

''ثنا'' اس نے آواز دی۔

اس کی بیٹی بلوغت کی حدوں کو چھو رہی تھی' لیکن ابھی تک ناریل کے خول میں ریت کے چاول پکاتی تھی۔ وہ نوعمر بیٹی آئی اور سوالیہ نظروں سے اپنے والدین کو دیکھنے لگی۔

''جاؤ پرانگ (کلہاڑی) لے آؤ۔'' اور سل بھی اٹھاتی لانا۔ ذرا پرانگ کی دھار تیز کرلوں' کل ہمیں جھاڑ جھنکاڑ زمین سے صاف کرنا ہے۔''

ثنا چلی گئی۔

''پنیری کا کیا ہوگا؟'' جیہا نے پوچھا جو ابھی تک لہوما کے پاس بیٹھی تھی۔

''پہلے زمین صاف کرلو۔ پھر پنیری کا سوچنا۔ چینیوں کی دکانوں پر بیج وافر پڑا پھوٹ رہا ہے۔''

''لیکن کون سی پنیری؟ وہی خشک چاولوں کی؟ وہی زرد چاول؟ اس سال ہم پھر اسی دھان کی پنیری لگائیں گے۔ اس کے ڈنٹھل کتنے سخت ہوتے ہیں اور بالیوں میں دانے بھی چھدرے۔ کٹائی کی مصیبت تو مجھے ہی اٹھانا پڑے گی۔ پچھلی کٹائی میں میری ہتھیلیاں چھل گئی تھیں۔''

''لیکن ان کا ذائقہ اچھا ہوتا ہے اور مہک بھی۔ بالکل پہاڑی چاولوں کی سی۔''

جیہا نے اپنے پھٹے ہونٹ سکیڑے۔

''دنیا میں سوائے اس کے تمہیں کچھ نہیں سوجھتا کہ ان کا ذائقہ اچھا ہو اور خوشبو عمدہ ہو۔''

''زرد چاولوں کی مہک میرے نتھنوں کو بھاتی ہے۔ تمہارے بالوں کی سڑاند سے تو بہتر ہے۔'' جیہا اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے بالوں کا جوڑا بنایا جو پھر کھل گیا۔ اس نے

MashalBooks.org

دوبارہ جوڑا بنایا۔ سارنگ ٹھیک سے سینے پر کسا۔

''کیا کہا تم نے؟''

اس نے اپنے خاوند کی پیٹھ پر دھڑا دھڑ کئی دو ہتڑ جڑ دیئے۔ لہوما ہنسا اور دایاں ہاتھ چلا کر اپنی پیٹھ پر پڑتے اس کے ہاتھ روکنے کی کوشش کی۔ والدین کا مسخرا پن دیکھ کر کھیلتی بچیاں بھی اچھلنے کودنے لگیں۔ ثنا جو سل اور پرانگ لے آئی تھی' ماں باپ کا یہ دھول دھپا دیکھ کر شرمائی اور ایک طرف ہوگئی۔

''وہ کیا ہے؟ یہ کیا ہیں'' جیہا نے دھول میں اٹے بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ جو سات کھڑے ہیں کیا ہیں۔ ہوسکتا ہے میرے بالوں سے سڑاند آتی ہو لیکن تم ہو کہ پھر بھی رات دن میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔''

لہوما اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے چند قدم بڑھ کر ثنا سے پرانگ اور سل لے لی۔ اس نے سل کو تھوک سے تر کیا اور اس پر پرانگ کی دھار تیز کرنے لگا۔

مستقبل کا سوچنا واقعی اچھا نہیں۔ آنے والی نسل کے مقدر کا معاملہ خدا پر چھوڑ دینا چاہئے۔

وہ اپنا پرانگ تیز کرتا رہا۔ جب سے پچھلی فصل کے چاول اناج والی کوٹھڑی میں پہنچائے تھے' پرانگ نے کسی درخت کی لکڑی کا ذائقہ نہ چکھا تھا۔ پچھلی کٹائی کے بعد پرانگ نے کام کے نام پر ایک ٹک بھی نہیں لگایا تھا۔ پہلے پہل اس نے کوشش ضرور کی تھی کہ کوئی اور کام بھی کرے۔ اس نے کٹائی والے علاقے میں جا کر پام کے درخت کاٹنے کی کوشش کی تھی تا کہ ان کے تنے چینیوں کے ہاتھ فروخت کر سکے۔ جو انہیں سمندر سے مچھلیاں پکڑنے کے جالوں میں بطور کھڑے سہاروں کے استعمال کرتے ہیں لیکن ایریکا پام کاٹنا بہرحال دلدلی اراضی کی لکڑی کاٹنے کی طرح نہ تھا۔ اس پام کا تنا پیتل کا سا سخت تھا اور پھر تنے کو بڑی سڑک تک لے جانا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کسی بھی سخت ترین کام سے کم مشکل نہیں۔ چنانچہ لہوما نے کچھ عرصہ دریا سے مچھلیاں پکڑنے کے جال بنائے۔ ان کے اناج کی کوٹھڑی بھری تھی۔ چاول کے ساتھ پکانے کو دوسری چیزیں بھی مل جاتی تھیں۔ اشتہا انگیز کونپل پتی گھر کے پچھواڑے دستیاب تھی۔ لہوما

سوچتا کسی اور کام کی ضرورت ہی کیا ہے۔ دھان کی بوائی کا کام ختم ہونے پر سوائے گھر پر پڑے رہنے کے اسے اور کوئی کام نہیں۔کھانا اور سونا' سونا اور کھانا۔ بوائی کا اگلا موسم آنے تک اسے اپنے پرانگ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

وہ اپنا پرانگ تیز کرنے میں لگا رہا۔ اس کی بچیاں ادھر ادھر ہوگئی تھیں۔ دو تین کھانے پکانے میں جیہا کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ باقی مرغیوں کو ششکارتی دڑبوں میں بند کر رہی تھیں کہ رات ہونے کو تھی۔

لہوما اپنے پرانگ کی دھار نکالنے میں جتا ہوا تھا۔کل جھنکاڑ صاف کیا جائیگا اور کل ہی دھان کی بوائی کا آغاز ہوگا۔ جھنکاڑ کی صفائی کے بعد زمین کو نرم اور پھر ہموار کیا جائے گا۔ دھان کی پنیری لگائی جائے گی۔ جب تک پودے ایک خاص عمر کو نہیں پہنچ جاتے۔ لہوما اور اس کے اہل خانہ کھیتوں میں مصروف رہیں گے۔ جنگلی جڑی بوٹیاں صاف کرنے کیلئے ضروری اوزاروں سے کام لینا پڑے گا۔

لہوما کے ذہن میں پلی پلائی بڑی بڑی جونکوں کا خیال آیا جو دھان کے دلدلی کھیتوں میں بڑی سہولت سے اس کی ٹانگوں پر چمٹ جائیں گی۔ اس برس بھی اس کا ایک چودیک (ناریل کے خول کا آدھا) خون تو جونکوں کے پیٹ میں چلا جائے گا۔ پھر لہوما کو چھوٹے کیکڑوں کا خیال آیا جنہوں نے پچھلے برس دھان کے نوخیز پودوں کو کتر ڈالا تھا۔اسے یاد تھا کہ شروع میں کیسے اس نے کیکڑوں کی ڈھیری لگا کر انہیں ایڑیوں تلے مسلا تھا' لیکن کچھ ہی دیر بعد اس کی ایڑیاں سوج گئی تھیں اور اسے کیکڑے کچلنے کا کام بھاری موصلیوں سے لینا پڑا تھا۔ چھوٹی چھوٹی لیکن سخت نقصان دہ اس لجلجی مخلوق کے پیٹ پھٹ گئے تھے۔ اس برس ان کا ہلہ کیسا ہوگا؟ اگرچہ لہوما ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا تھا لیکن آسمان پر موجود موسمی آثار بتاتے تھے کہ ان کا ہلہ اس بار بھرپور ہوگا لیکن اس بار وہ ایک بھاری کڑھاؤ اس مخلوق کو ابالنے کے لئے تیار رکھے گا۔

جھٹ پٹے نے بنگل دراپ گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ گاؤں غربت و افلاس سے ''مالا مال'' تھا۔مٹی کے تیل کے چراغ جل گئے تھے۔ دھان کے کھیتوں کے کنارے کھڑے گھر دھیرے دھیرے دھندلکے میں ڈوبتے منظر سے غائب ہوگئے۔کل

MashalBooks.org